۳۷

مالی قربانی اور سادہ زندگی کی طرف خاص توجہ کی جائے

(فرمودہ ۹/ اکتوبر ۱۹۳۶ء)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

تحریک جدید کا دوسرا سال عنقریب ختم ہونے والا ہے اور تیسرے سال کے متعلق چند ہفتوں تک اِنْشَاءَ اللّٰہُ اعلان ہونے کو ہے اس لئے پھر ایک دفعہ میں اُن دوستوں کو جو اخلاص وتقویٰ کے ساتھ سلسلہ سے تعلق رکھتے ہیں ان کے فرائض کی طرف متوجہ کرتا ہوں۔ میں نے بارہا کہا ہے کہ جماعت کی کثرت یا تعداد کی زیادتی سلسلہ پر اثر انداز نہیں ہوسکتی۔ ہماری کمزوری آج سے چالیس سال پہلے کے مقابلہ میں اس لحاظ سے نہیں کہ آج ہماری تعداد کم ہے آج سے چالیس سال قبل سارے ہندوستان میں شاید اتنے احمدی نہیں تھے جتنے آج اس مسجد میں بیٹھے ہیں۔ آج سے چالیس سال قبل کا زمانہ ۱۸۹۶ء کا بنتا ہے اور اُس وقت سارے ہندوستان میں شاید ہزار ڈیڑھ ہزار احمدی ہوں گے کیونکہ ۱۸۹۳ء۔ ۱۸۹۴ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تین چار سَو تعداد لکھی تھی اور اس لحاظ سے ۱۸۹۶ء میں اندازاً ہزار ڈیڑھ ہزار احمدی بنتے ہیں اور آج اس مسجد میں جس قدر لوگ بیٹھے ہیں وہ غالباً دو اڑھائی ہزار ہوں گے۔

پس تعداد کے لحاظ سے تو خدا تعالیٰ نے ہمیں اتنی ترقی دی ہے کہ آج صرف قادیان کی جماعت اُس وقت کی ساری جماعت سے زیادہ ہے مگر اُس زمانہ میں باوجود اس کے کہ افراد تھوڑے تھے، بوجہ اس کے کہ مخالفت زیادہ تھی اور ہر فرد مظالم کا تختۂ مشق بن رہا تھا ایمان داروں

کے سامنے یہ بات نئی نئی آئی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ایک مأ مور کو نئے سرے سے دنیا کی ہدایت کیلئے بھیجا ہے ایمان ایک شاندار مظاہرہ کررہا تھا اور منافق بہت ہی کم تھے میں نے کہا ہے کہ بہت ہی کم تھے لیکن یہ نہیں کہا کہ بالکل ہی نہ تھے کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود لکھا ہے کہ اُس زمانہ میں بھی بعض کمزور طبائع کے لوگ تھے۔ موجودہ زمانہ میں چونکہ بعض سارے کے سارے خاندان احمدی ہو چکے ہیں، ان کے ساتھ بعض ان کے رشتہ دار بھی لگے بندھے اور ان کی دیکھا دیکھی احمدی ہوگئے ہیں، پھر نئے نئے بچے پیدا ہوتے ہیں جن کی تربیت کی طرف ان کے والدین کوئی توجہ نہیں کرتے اور وہ صرف اس وجہ سے احمدی ہیں کہ ان کے ماں باپ احمدی تھے ورنہ وہ سوچ سمجھ کر تحقیق کر کے جماعت احمدیہ میں شامل نہیں ہوئے۔

پھر یُوں بھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورہ بقرہ میں وضاحت فرمائی ہے جب جماعتیں ترقی کرتی ہیں تو بعض دفعہ قربانیوں کے مطالبہ میں زیادتی کی وجہ سے کمزور لوگوں میں منافقت پیدا ہونے لگ جاتی ہے۔ ابتدائی زمانہ میں تو صرف یہی قربانی ہوتی ہے کہ بیعت کرلی اور دین کی راہ میں مالی قربانی پیش کردی یا وہ قربانی پیش کردی جو دشمن زبردستی حاصل کرتا ہے مگر جماعت کی ترقی کے بعد سینکڑوں قسم کی قربانیوں کا مطالبہ شروع ہو جاتا ہے، کچھ تمدنی ہوتی ہیں، کچھ اقتصادی، کچھ علمی، کچھ نفسی، کچھ اخلاقی، کچھ سیاسی، کچھ اہلی جو بعض لوگوں کو ناگوار گزرتی ہیں اور اس وجہ سے نِفاق کا مادہ ان میں پیدا ہونے اور نشوونما پانے لگتا ہے پس اسی سنّت کے مطابق اب اُس وقت کی نسبت منافق زیادہ ہیں اور اس لئے تعداد کی زیادتی کے باوجود ہمارے لئے وہ امن نہیں ہے جو اُس وقت تھا۔

غرض آج ہمیں خطرہ اس طرف سے نہیں ہے کہ ہماری تعداد پہلے سے کم ہوگئی ہے بلکہ خطرہ اس امر سے ہے کہ اب منافق پہلے کی نسبت زیادہ ہیں ورنہ آج اگر جماعت آدھی یا چوتھائی حصہ رہ جائے لیکن ساتھ ہی منافقوں کی نسبت موجودہ نسبت سے کم ہو جائے تو ہماری طاقت زیادہ ہو جائے گی کم نہ ہوگی بلکہ میں تو بارہا غور کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اگر ہماری تعداد سَو گُنا کم ہو جائے اور منافق بالکل نکل جائیں تو ہماری طاقت موجودہ طاقت سے سَو گُنا زیادہ ہو جائے گی۔ منافق ایک طرف تو پوشیدہ رہتا ہے اور دوسری طرف نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ [1] کا نعرہ

لگا تا رہتا ہے اس وجہ سے سادہ لوح مؤمن ہمیشہ ہی منافق کی چالاکی اور ہوشیاری کا شکار رہتے ہیں۔ منافق جس سے ملتا ہے پہلے اس کی نسبت تاڑتا ہے کہ یہ کس خیال کا آدمی ہے اور پھر اس سے بات کرتا ہے۔

بعض منافقین کے متعلق ان کے دوستوں نے بتایا کہ ہم پندرہ بیس سال سے ان سے تعلقات رکھتے تھے مگر ان کی منافقت کا ہمیں کوئی علم نہیں ہؤا اور جب ہمیں معلوم ہؤا کہ انہوں نے بعض دوسرے لوگوں سے منافقانہ باتیں کیں تو ہم حیران رہ گئے۔ منافق بھی سوچ بچار کر کے دوستانے کرتا ہے بعض دفعہ وہ ایک مخلص انسان سے اس لئے دوستانہ لگا لیتا ہے کہ وہ ہمیشہ میری براءت کا گواہ رہے گا اور اس کی دوستی اور ضرورت کے موقع پر اس کی شہادت کی وجہ سے لوگ مجھ پر شک نہیں کر سکیں گے اور خیال کریں گے کہ اتنے مخلص آدمی سے تعلق رکھنے والا منافق نہیں ہو سکتا اور اگر کسی شخص نے میری منافقت کا بھانڈا پھوڑ دیا تو میں جھٹ اس مخلص کی شہادت پیش کروں گا کہ یہ شخص میرا اتنے سال سے دوست ہے اس سے میرے خیالات پوچھو اور وہ جھٹ اپنی مؤمنانہ سادگی سے کود کر آگے آجائے گا اور بڑے جوش سے میرے مخلص ہونے کی گواہی دے گا۔ ایسے آدمیوں کو چھوڑ کر وہ دوسرے لوگوں سے ان کے خیالات کے مطابق منافقانہ گفتگو کرتے ہیں۔ مثلاً ایک منافق کو اگر ایک دوسرے شخص کی نسبت جو ہو تو مخلص لیکن کمزوری کی وجہ سے منافق کا اثر قبول کرنے کیلئے تیار ہو یہ معلوم ہو کہ اُسے نظامِ سلسلہ سے کوئی شکوہ ہے لیکن ساتھ ہی وہ خلیفہ سے اخلاص رکھتا ہے تو وہ جھٹ اُسے جا کر ملے گا اور یوں بات شروع کرے گا کہ کیا کِیا جائے خلیفہ تک تو کوئی بات پہنچنے ہی نہیں دیتا اگر ان تک بات پہنچے تو وہ ایک منٹ میں انصاف کر دیں مگر مشکل تو یہ ہے کہ ان تک بات پہنچتی ہی نہیں اور یہ درمیانی افسر غریبوں پر ظلم کرتے چلے جاتے ہیں۔ سننے والا چونکہ نظامِ سلسلہ سے ٹھوکر کھائے ہوئے ہوتا ہے اور اُس کی امیدیں خلافت کے وجود سے وابستہ ہو رہی ہوتی ہیں وہ اس کلام میں نظام پر حملہ اِس قدر محسوس نہیں کرتا جس قدر خلافت سے عقیدت کا اظہار اُسے نظر آتا ہے اور چونکہ وہ خود بھی اُس وقت اِسی رائے کا ہوتا ہے وہ اس منافق کو عقلمند مخلص سمجھتے ہوئے اُس کی محبت کو اختیار کر لیتا ہے یہاں تک کہ کچھ دنوں میں نِفاق کا زہر اُس کے ایمان کے تریاق کو بھی ضائع کر دیتا ہے اور یہ کمزور مخلص ایک دن اپنے آپ کو

خالص منافق پاتا ہے۔ اس کے برخلاف اگر اسی منافق کو کسی ایسے شخص کا علم ہوتا ہے جسے کسی وجہ سے خلافت سے کچھ بدظنی ہو جاتی ہے تو یہ دَوڑ کر اُس کے پاس پہنچ جاتا ہے۔ پہلے تو پیچ پیچ کر شبہات ظاہر کرتا ہے، کبھی کہتا ہے خلافت برحق مگر موجودہ خلیفہ کی طبیعت ذرا نازک ہے، کبھی کہتا ہے خلیفہ اوّل بہت متقی انسان تھے، کبھی کہتا ہے وہ بہت سادہ تھے، پھر آہستہ آہستہ جب وہ اس شخص کے ایمان کو کمزور کر لیتا ہے تو کھلے طور پر کہہ دیتا ہے کہ اجی! ناظر اور دوسرا عملہ کیا کرے خلیفہ صاحب کسی کی بات تو سنتے نہیں اور اگر کوئی حق بات کہہ دے تو اُس کی شامت آجائے۔ اس پر اُلٹی جھاڑیں پڑیں اور ایسی ڈانٹ ڈپٹ ہو کہ ساری عمر یاد رکھے کیا کسی نے جماعت سے نکلنا ہے کہ خلیفہ کو جا کر سچا مشورہ دے۔

غرض وہ ہر قسم کے آدمی سے علیحدہ علیحدہ ایسی گفتگو کرتا ہے جو اُس کمزور انسان کے مرض کے مطابق ہو خواہ ایک گفتگو دوسری سے متضاد ہی ہو۔ بعض دفعہ اس منافق کی گفتگو ایسی متضاد ہوتی ہے کہ اگر دونوں شخص اکٹھے ہو کر تبادلہ خیالات کریں تو دنگ رہ جائیں کہ اس منافق نے ایک سے کیا کہا اور دوسرے سے کیا کہا۔ ایک سے تو یہ کہا کہ خلیفہ بیچارہ کیا کرے اُس تک تو ناظر بات نہیں پہنچنے دیتے ورنہ وہ تو انصاف دینے پر تیار رہتا ہے اور دوسرے سے یہ کہا کہ کارکن تو نہایت اچھے ہیں لیکن ان کی کوئی سنتا ہی نہیں۔ ناظر بیچارے کئی دفعہ سچ کہنے کی کوشش کرتے ہیں مگر فوراً ڈانٹ پڑ جاتی ہے۔

غرض منافق کی چال ہر جگہ بدلتی رہتی ہے وہ جانتا ہے کہ جن مؤمنوں سے وہ علیحدہ علیحدہ گفتگو کرتا ہے وہ اکٹھے ہو کر تو کبھی اُس کی گفتگو دُہرائیں گے نہیں اس لئے اس کا بھید نہیں کھل سکے گا اور اگر وہ کبھی اکٹھے ہو کر بات بھی کر لیں اور اس کی شرارت کا بھانڈا پھوٹ جائے تو قرآن کریم فرماتا ہے کہ پھر یہ قسمیں کھا کھا کر اور جھوٹ بول بول کر اپنے عیب پر پردہ ڈالنے کی کوشش کریں گے۔ چنانچہ اِن دنوں بھی منافقوں کا یہی رویہ ہے اگر وہ پکڑے جائیں تو جھٹ قسمیں کھانے لگ جاتے ہیں کہ اصل میں غلط فہمی ہوگئی میں نے کچھ اور کہا تھا۔ لیکن جب یہ بہانہ بھی نہ چلے اور الزام ثابت ہو جائیں تو پھر جو چھوٹا الزام ہو اُسے تسلیم کر لیں گے مثلاً اوپر کی مثال میں یہ تسلیم کر لیں گے کہ ہاں ہم نے ناظروں کے خلاف کہا تھا خلیفہ کے خلاف نہیں کہا اور اُس شخص کو مخاطب کر کے جس

کے سامنے ناظروں کی شکایت اور خلیفہ کی براءت کی تھی چلّانے لگ جائیں گے۔ آپ کہہ سکتے ہیں کہ مجھے خلیفہ سے کس قدر اُنس ہے ان صاحب کو غلط فہمی لگ گئی ہے ورنہ یہ تو بے شک خلیفہ کے خلاف باتیں کہہ رہے تھے لیکن میں اس کی تردید کرتا چلا جاتا تھا اور کہتا تھا کہ نہیں سب قصور ناظروں اور دوسرے افسروں کا ہے اور وہ بیچارہ شخص بھی اپنے تجربہ کی بناء پر جو درحقیقت تجربہ نہ تھا فریب تھا شہادت دینے لگ جائے گا۔ قرآن کریم میں منافق کی علامت یہ بتائی ہے کہ وہ حلّاف اور جھوٹا ہوتا ہے یعنی جھوٹ بھی خوب بولتا ہے لیکن پھر جھوٹ پر پردہ ڈالنے کیلئے قسمیں بھی خوب کھاتا ہے۔

میں نے شروع میں ہی بتایا تھا کہ تحریک جدید کے متعلق منافقوں میں چہ میگوئیاں ہوں گی کیونکہ منافق زیادہ قربانیوں کی برداشت نہیں کرسکتا مثلاً منافق کہیں گے کہ انجمن کی مالی حالت اس قدر خراب ہے اور اس پر تحریک جدید کے چندے اسے اور بگاڑ رہے ہیں۔ چنانچہ مجھے ابھی بعض لوگوں کی نسبت جو معزز اور باوقار سمجھے جاتے ہیں اور جنہیں لوگ معتبر اور دیانتدار خیال کرتے ہیں اطلاع ملی ہے کہ وہ اپنی مجلس میں ذکر کر رہے تھے کہ اِس زمانہ میں تحریک جدید کو جاری کر کے انجمن کی مالی حالت اور خراب کر دی گئی ہے کیونکہ اِس کی وجہ سے لوگ عام چندے ادا نہیں کرسکتے۔ ان کا پہلا جھوٹ تو انجمن کے رجسٹر دیکھنے سے معلوم ہوسکتا ہے کیونکہ رجسٹروں سے پتہ چلتا ہے کہ انجمن کی آمد آگے سے زیادہ ہے اگر قرضہ ہے تو اِس وجہ سے کہ اخراجات آمد کی زیادتی سے بھی زیادہ ہو گئے ہیں۔ اس لئے نہیں کہ آمد پہلے سے کم ہوگئی ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ گزشتہ قریب کے سالوں میں عموماً جھٹ پٹ آمد میں کمی آنے لگتی تھی مگر اب متواتر کئی سال سے آمد ایک ہی سطح پر قائم ہے اِلَّا مَاشَاءَ اللّٰہُ کسی ہفتہ یا مہینہ میں کوئی کمی ہو کیونکہ جو لوگ قربانی کے عادی ہوجاتے ہیں وہ زیادہ سے زیادہ قربانی کرتے ہیں اس لئے تحریک جدید نے آمد میں کمی نہیں کی بلکہ زیادتی کی ہے یا کم سے کم اسے ایک ہی سطح پر قائم کر دیا ہے۔

پھر جیسا کہ میں نے جلسہ سالانہ پر اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے کہا تھا تحریک جدید طوعی ہے اس میں حصہ لینے کیلئے کسی کو مجبور نہیں کیا جاتا بلکہ اُن ہی سے اس کا چندہ لیا جاتا ہے جو خوشی سے ادا کریں اور انجمن کے چندے بھی باقاعدہ ادا کریں بلکہ گزشتہ سال کئی لوگوں نے یہ

بات پیش کی تھی کہ ہم نے تحریک جدید کا وعدہ لکھایا تھا مگر اُس وقت ہمیں اپنی طاقت کا علم نہ تھا اب ہم محسوس کرتے ہیں کہ اگر تحریک جدید کا چندہ ادا کریں تو انجمن کے چندے ادا نہیں کر سکیں گے اس لئے ہمیں تحریک جدید کا چندہ معاف کر دیا جائے تو اُن کا تحریک جدید کا چندہ معاف کر دیا گیا۔ مگر منافق کیلئے ان دلائل کا بیان کرنا فضول ہے کیونکہ منافق کو دلیل کی ضرورت نہیں ہوتی اور جب اُس کے اعتراض کا جواب دے دیا جائے تو اوّل تو وہ کہہ دیتا ہے کہ لوگ جھوٹ بولتے ہیں میں نے تو اعتراض ہی نہیں کیا پھر اگر ثابت کر دیا جائے کہ اُس نے اعتراض کیا تھا تو وہ یہ کہہ دیتا ہے کہ غلط فہمی ہوگئی میرا مطلب کچھ اور تھا۔ پھر اگر یہ بھی ثابت کر دیا جائے کہ جو کچھ اُس نے کہا تھا اس کے متعلق کوئی غلط فہمی ہرگز نہیں ہوئی اس کا وہی مطلب تھا جو لیا گیا۔ تو پھر کہتا ہے کہ میں نے کہا تو تھا مگر اب جو آپ نے جوابات دیئے ہیں ان سے میری پوری تشفی ہوگئی ہے اور میرا ایمان دوبارہ تازہ ہو گیا ہے اور یہ فقرہ اتنی بار دُہراتا ہے کہ سادہ لوح مؤمن بھی سُبْحَانَ اللّٰہِ سُبْحَانَ اللّٰہِ کہنے لگ جاتے ہیں کہ ہمارے امام کی زبان میں کس قدر تاثیر ہے کہ اس گمراہ شُدہ انسان کا ایمان پھر تازہ ہو گیا ہے حالانکہ حقیقت یہ ہوتی ہے کہ ان تازہ جھوٹوں اور جھوٹی قسموں سے اُس کے اندر اگر کوئی ذرّہ ایمان کا تھا بھی تو وہ بھی ضائع ہو چکا ہوتا ہے۔ اس کے بعد جب یہ منافق اپنے احباب کی مجلس میں جاتا ہے تو کہتا ہے کہ جی! کیا کریں گزارہ جو کرنا ہوا اور ان اشخاص کو گالیاں دینے لگ جاتا ہے اور کہتا ہے جنہوں نے اس کا بھانڈا پھوڑا تھا اور کہتا ہے کہ مجھے معلوم تھا کہ یہ خبیث ایسا بے وفا نکلے گا اس چغلخور کو چغلی کرتے ہوئے شرم بھی نہیں آتی اور اس کے ساتھ منافق سر ہلاتے ہوئے اُس کی ہاں میں ہاں ملائیں گے اور کہیں گے کہ آجکل کا زمانہ ہی ایسا گندہ ہو گیا ہے اب تو سگے بھائی پر بھی انسان اعتبار نہیں کر سکتا اور ان بدمعاشوں میں سے کوئی بھی تو یہ محسوس نہیں کرے گا کہ خبیث وہ خود ہیں، بے وفا وہ خود ہیں، چغل خور وہ خود ہیں اور بے اعتبار وہ خود ہیں۔

درحقیقت منافق کی مثال شتر مرغ کی ہوتی ہے جسے کسی نے کہا تھا کہ آؤ تم پر بوجھ لادیں تو اُس نے کہا کہ کبھی مرغوں پر بھی بوجھ لادا جاتا ہے اور جب اُسے کہا گیا کہ اگر تم مرغ ہو تو پھر اُڑتے کیوں نہیں تو اُس نے جواب دیا کہ کبھی اُونٹ بھی اُڑا کرتے ہیں۔ تو منافق شتر بھی ہوتا ہے اور مرغ بھی۔ اگر اُس کے ایک دعوے کی بناء پر اُس پر اعتراض کیا جائے تو وہ دوسرے دعوے کی

پناہ لے لیتا ہے اور اگر دوسرے دعوے کی بناء پر اس پر اعتراض کیا جائے تو وہ پہلے کی یا پھر ایک تیسرے دعوے کی پناہ لے لیتا ہے اُس پر وعظ و نصیحت کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ ہر گرفت پر اُس کا پہلا جواب تو یہ ہوتا ہے کہ لوگ جھوٹ بولتے ہیں اور جب دلیل سے ثابت کر دیا جائے کہ جو الزام لگایا گیا اُس کے مطابق ہی اس نے گفتگو کی تھی تو اس کا دوسرا جواب یہ ہوتا ہے کہ اب مجھے یاد آ گیا ہے کہ بے شک میں نے ایسا ہی کہا تھا مگر میرا مطلب اس سے یہ نہیں تھا جو سمجھا گیا ہے اور جب یہ بھی ثابت کر دیا جائے کہ اس کا مطلب بھی اس گفتگو سے یہی تھا تو تیسرا جواب اُس کا یہ ہوتا ہے کہ میرا مطلب اعتراض کا نہیں تھا بلکہ سمجھنے کا تھا اور اَلْحَمْدُلِلّٰہِ کہ اب میں سمجھ گیا ہوں اور میرا ایمان تازہ ہو گیا ہے بلکہ میری اِس گفتگو کی وجہ سے کئی اور میرے جیسے لوگوں کو بھی فائدہ پہنچ گیا ہوگا جن کے دلوں میں بھی ایسے خیالات پیدا ہو رہے ہوں گے۔ اگر اس طرح سوال نہ کیا جائے تو معارف بھی تو نہیں کھلتے اور ایمان کو تازگی بھی حاصل نہیں ہوتی۔ غرض اعتراض سوال بن جاتا ہے اور منافقت دوسروں کے ایمان کو تازہ کرنے کے ذریعہ کا نام پاتی ہے۔ مگر منافق ہر موقع پر جھوٹ بولتا ہے اور اس پر حُسنِ ظن رکھنے والا مطمئن ہو جاتا ہے کہ اَلْحَمْدُلِلّٰہِ کہ اب اس شخص کی تسلی ہو گئی ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ جتنی سفارشیں منافقوں کی میرے پاس آتی ہیں اتنی مخلص محتاجوں کی سفارشیں نہیں آتیں۔ محلّہ میں مخلص حاجت مند ہوتے ہیں، بیوائیں مصیبت میں ہوتی ہیں، یتیم آوارہ پھر رہے ہوتے ہیں، مگر کوئی خبر نہیں لیتا لیکن اِدھر کسی منافق کے متعلق کوئی سوال اُٹھا اور اُدھر بڑے بڑے ثقہ اور وزنی آدمی سفارشوں پر سفارشیں لئے آتے ہیں۔ ملاقاتوں اور چٹھیوں کے ذریعہ ناک میں دم کر دیتے ہیں۔ کئی تو کہتے ہیں کہ اس کے متعلق غلط فہمی ہو گئی ہے۔ کئی کہتے ہیں کہ اب اِس نے سچی توبہ کر لی ہے اور اتنا کوئی نہیں سوچتا توبہ تو وہ نعمت ہے کہ معمولی مؤمن کو بھی مشکل سے نصیب ہوتی ہے۔ پھر اُس شخص کو اِس قدر جلدی نایاب تحفہ خدا تعالیٰ کی طرف سے کسی طرح حاصل ہوا کہ جس کی نسبت قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ دوزخ کے سب سے نچلے حصہ میں رکھے جائیں گے اور وہ سادہ لوح مؤمن جو منافقوں کی اِس رنگ میں سفارش کرتے ہیں کہ یہ منافق ہی نہیں ان کے بارہ میں غلط فہمی ہو گئی ہے کبھی یہ نہیں سوچتے کہ اگر ہر شخص جس پر منافقت کا الزام لگا ہے بری ہوتا ہے تو وہ منافق کہاں ہیں جن کی نسبت خدا اور اس کے رسول کے کلام میں

کثرت سے خبر دی گئی ہے۔ ان سادہ لوح مؤمنوں کی مثال اُن غیر احمدیوں کی سی ہوتی ہے جو قرآن کریم میں یہ تو پڑھتے ہیں کہ ہر قوم میں خدا کا نبی گزرا ہے لیکن جب کوئی حضرت کرشنؑ یا حضرت رام چندرؑ جی کو نبی کہہ دے تو آگ بگولہ ہو جاتے ہیں اور یہ نہیں سوچتے کہ آخر قرآن کریم کے اِس دعویٰ کی تصدیق کسی مثال سے ہی ہو سکتی ہے ورنہ اِس صداقت کے بیان کرنے سے فائدہ کیا ہوا۔

غرض قسم کھا کر الزام کو دور کرنا اور بالکل پکڑے جانے کی صورت میں جھٹ توبہ کا اظہار کرنا تو منافق کے بائیں ہاتھ کا کرتب ہے اس سے دھوکا کھانا تو ایک مؤمن کیلئے ناممکن ہونا چاہئے۔ منافق تو جب دیکھتا ہے کہ اُس کا جُرم ظاہر ہو گیا تو فوراً بھاگتا ہے اور معافی مانگتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تبوک کی جنگ سے جب واپس لوٹے تو منافقین فوراً حاضر ہوئے اور معذرتیں کرنے لگے اور درخواست کرنے لگے کہ ہمیں معاف کر دیں اور لِلّٰہ ابھی ہاتھ اٹھا کر دعا کر دیں [۲]۔ دیکھنے والا تو خیال کرتا ہے کہ یہ کتنے مخلص لوگ ہیں یہ نہیں چاہتے کہ ایک منٹ بھی اس حالت میں رہیں لیکن درحقیقت اُن کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ بات یہی ختم ہو جائے اور مزید تحقیقات نہ ہو لیکن مؤمن ایسی بناوٹی معذرت سے ہچکچاتا ہے۔

احادیث میں آتا ہے کہ تین مؤمن بھی اس جنگ میں شامل نہ ہوئے تھے ان میں سے ایک کا طویل بیان احادیث میں آتا ہے وہ فرماتے ہیں کہ جب میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی واپسی کے بعد آپ کے پاس پہنچا تو میں نے لوگوں سے دریافت کیا کہ سناؤ پیچھے رہنے والے اور بھی کوئی آئے ہیں یا نہیں اور انہوں نے کیا کیا طریق معذرت کا اختیار کیا ہے اور ان سے کیا سلوک ہوا ہے؟ انہوں نے بتایا کہ لوگ آتے ہی عذر معذرت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ ! ہماری معافی کیلئے دعا کر دیں تو آپ ان کیلئے دعا کر دیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں مجھے خیال آیا کہ میں بھی کوئی عذر کر دوں اور سرزنش سے چھوٹ جاؤں مگر پھر مجھے کچھ خیال آ گیا اور میں نے صحابہؓ سے پوچھا کہ کون کون لوگ آ چکے ہیں؟ انہوں نے نام لئے تو سب منافق تھے صرف دو مؤمنوں کا نام انہوں نے لیا اور بتایا کہ انہوں نے کوئی عذر نہیں کیا بلکہ اپنی غلطی کا اقرار کیا ہے۔ تب میں نے دل میں کہا کہ میں منافقوں کے ساتھ کیوں شامل ہوں بہتر ہے کہ ایسے عذر پیش کرنے کی بجائے جو

حقیقتاً عذر نہیں کہلا سکتے صاف کہہ دوں کہ غلطی ہوگئی ہے آپ جو چاہیں مجھ سے معاملہ کریں۔ چنانچہ یہ خیال آنے پر میں نے اقرارِ جُرم کا فیصلہ کرلیا اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے مجھے منافقوں کے ساتھ شامل ہونے سے بچالیا۔ چنانچہ میں گیا اور رسول کریم ﷺ سے صاف طور پر کہہ دیا کہ میری سُستی اور غفلت تھی کہ میں غزوہ میں شامل نہ ہوا اور نہ کوئی حقیقی عذر نہیں تھا۔ اس پر رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب تک اللہ تعالیٰ کا حکم تمہارے متعلق نہ آئے تم سے قطع تعلق کیا جائے گا۔ اِس صحابی کا نام کعب بن مالک تھا وہ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں اس حکم سے سخت تکلیف پہنچی کیونکہ مدینہ میں سب مسلمان ہی تھے اور جو منافق تھے ان میں سے بھی کسی کو جرأت نہ تھی کہ ان سے بات چیت کرے یہاں تو میں نے دیکھا ہے کہ جن لوگوں سے بات چیت منع ہے وہ محلوں میں احمدیوں کے مکانوں پر بھی چلے جاتے ہیں محلے والے معلوم نہیں سوئے رہتے ہیں کہ ان کو پتہ ہی نہیں لگتا۔ یہاں کے بعض احمدی سانپوں کو پالتے ہیں مگر وہ یاد رکھیں کہ یہ سانپ نہ خدا کو ڈس سکتے ہیں نہ اُس کے رسول کو اور نہ خلیفہ کو۔ یہ انہی کو ڈسیں گے جو اِن کو پالتے ہیں۔ ہم تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے محفوظ ہیں کیونکہ جسے اللہ تعالیٰ اپنی حفاظت میں لے لے اُسے کون ڈس سکتا ہے یہ اِنہیں کو ڈسیں گے جنہیں وہ ڈس سکتے ہیں اور افسوس کہ وہ دیکھتے ہوئے ان سانپوں کی حرکات پر اغماض سے کام لیتے ہیں۔

غرض مدینہ میں کوئی منافق بھی ان سے بات چیت نہ کرسکتا تھا۔ کعب بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اس حکم کے چند دن کے بعد معلوم ہوا کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ بیوی بچے بھی ان لوگوں سے جُدا ہو جائیں۔ ہم تینوں میں سے ایک صحابی بوڑھے تھے ان کی بیوی رسول کریم ﷺ کے پاس گئی اور عرض کیا کہ یَارَسُوْلَ اللّٰہ! میرا خاوند تو پہلے ہی مر چکا ہے نہ کھانا کھاتا ہے نہ سوتا ہے پھر بوجہ ضعیف اُلعمر ہونے کے ہر وقت مدد کا محتاج ہے، میاں بیوی کے تعلقات کے قابل تو وہ پہلے ہی نہ تھا اگر آپ اجازت دیں تو میں کھانے پینے میں اُس کی مدد کروں۔ آپ نے فرمایا اچھا اتنی اجازت ہے۔ اس پر مجھے خیال آیا کہ میں بھی کیوں نہ اپنے لئے ایسی اجازت حاصل کرنے کا انتظام کروں مگر پھر خیال آیا کہ وہ بوڑھا ہے میں جوان ہوں میرے لئے ایسا کرنا مناسب نہیں۔ اس پر میں نے بیوی سے کہا کہ تُو میکے چلی جا ایسا نہ ہو کہ میں تجھے بُلاؤں اور تُو جواب دے دے۔ مجھے کسی اور کے متعلق تو خیال ہی نہ تھا کہ مجھ سے بات چیت کرے۔ ہاں رسول کریم ﷺ کی محبت

اور شفقت کی وجہ سے خیال تھا کہ میرے درد کو دیکھ کر آپ کو ضرور رحم آئے گا۔ اس لئے میں آپ کی مجلس میں جاتا اور زور سے اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کہتا اور پھر دیکھتا کہ آپ کے ہونٹ حرکت کرتے ہیں یا نہیں مگر آپ جواب نہ دیتے اور میں گھبراہٹ میں اُٹھ آتا اور خیال کرتا کہ آپ کے ہونٹ ہلے ہوں گے مگر میں دیکھ نہیں سکا اس لئے مجلس سے اُٹھ کر چلا جاتا اور پھر لوٹ کر آ کر زور سے اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کہہ کر پھر ہونٹوں کی طرف دیکھتا اور پھر اُٹھ آتا اور پھر جاتا مگر آپ جواب نہ دیتے ہاں کنکھیوں سے کبھی کبھی میری طرف دیکھ لیتے۔ وہ کہتے ہیں جب بہت دن گزر گئے تو میں اپنے چچیرے بھائی کے پاس جن کے ساتھ میں ہمیشہ کھاتا پیتا اور رہتا سہتا تھا گیا وہ اپنے باغ میں کام کر رہا تھا۔ میں نے اُسے کہا کہ اے بھائی! تُو میرا محرم راز ہے ہم دونوں ہمیشہ اکٹھے رہے ہیں اور ہماری کوئی بات ایک دوسرے سے پوشیدہ نہیں تجھے خوب معلوم ہے کہ میں مخلص مسلمان ہوں اور نفاق کی کوئی رگ مجھ میں نہیں میں آج گھبراہٹ میں تجھ سے پوچھنے آیا ہوں کہ بتاؤ کیا مَیں منافق ہوں؟ مگر اُس نے کوئی جواب نہ دیا اور صرف آسمان کی طرف نظر اُٹھا کر دیکھا جس سے اُس کا مطلب یہ تھا کہ خدا اور اُس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ جب ایسے بھائی نے جو میرا محرم راز تھا مجھے یہ جواب دیا تو میں نے محسوس کیا کہ زمین مجھ پر تنگ ہوگئی ہے اور میں گھبرا کر باغ کی دیوار پھاند کر باہر آ گیا اور دیوانہ وار شہر کی طرف چل پڑا۔ جب شہر کے پاس پہنچا تو ایک شخص میرے قریب آیا اور پوچھا کہ کیا تُو فلاں شخص ہے؟ میں نے کہاں ہاں تو اُس نے مجھے ایک خط دیا کہ یہ فلاں بادشاہ نے بھیجا ہے یہ ایک عرب کا عیسائی بادشاہ تھا جو رومی حکومت کے ماتحت تھا۔ میں نے کھول کر پڑھا تو اُس میں لکھا تھا کہ ہم جانتے ہیں کہ تم عرب کے رئیس ہو اور تمہیں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ذلیل کیا ہے حالانکہ تمہاری قدر کرنی چاہئے تھی اگر تم میرے پاس آ جاؤ تو میں تمہارے شایانِ شان تم سے سلوک کروں گا۔ مالکؓ کہتے ہیں کہ میرے بھائی نے مجھے جو جواب دیا تھا اُس سے میرا دل اُلٹ رہا تھا وہ خط دیکھ کر مجھ پر سکتہ کی حالت طاری ہوگئی اور میں نے سوچا کہ یہ شیطان کا آخری حملہ ہے ایسا نہ ہو کہ میرے قدم لڑکھڑا جائیں اور میں نے اُس قاصد سے کہا کہ میرے پیچھے آؤ۔ ایک جگہ ایک آدمی بھٹی جلا رہا تھا میں نے اُس خط کو پُرزے کر کے اُس میں ڈال دیا اور اُس سے کہا کہ اپنے بادشاہ سے کہہ دینا کہ اِس کا جواب یہ ہے۔ یہ ان کے ابتلاء اور مصیبت

کی آخری گھڑیاں تھیں۔ آخر اللہ تعالیٰ نے رحم کیا اور رسول کریم ﷺ کو فرمایا کہ ان کی غلطی معاف کردی جائے [۳]۔ تو مؤمن اس قسم کی توبہ نہیں کرتا جیسی کہ منافق کرتا ہے (اگر اللہ تعالیٰ نے توفیق دی تو میں کسی آئندہ خطبہ میں یہ بتاؤں گا کہ مؤمن کی توبہ اور منافق کی توبہ میں کیا فرق ہوتا ہے کہ ایک کو سچا تسلیم کیا جاتا ہے اور دوسری کو جھوٹا کہا جاتا ہے اور کیوں ایک کو فوراً توبہ کرنے کی ہدایت کی جاتی ہے اور دوسرے کی فوری توبہ کو منافقت کی علامت قرار دیا جاتا ہے)۔ مؤمن اگر غفلت کرے تو سزا کیلئے ہر وقت تیار رہتا ہے وہ جانتا ہے کہ اصل معافی تو تکلیف اور قربانی کے ذریعہ سے حاصل ہوتی ہے لیکن منافق جھٹ معذرت کرتا ہے۔ اُس کا پہلا پینترا یہ ہوتا ہے کہ بالکل غلط ہے دوسرا یہ کہ ہاں یاد آ گیا میں نے کہا تھا اور تیسرا یہ کہ اب میری تسلی ہوگئی ہے کمزوری کی گھڑیاں بھی انسان پر آہی جاتی ہیں اب پھر میرا ایمان تازہ ہوگیا ہے حالانکہ حقیقت یہ ہوتی ہے کہ ایمان کبھی اُس کے دل میں تھا ہی نہیں۔ یا اگر کبھی تھا تو مدت ہوئی رُخصت ہو چکا ہے مگر منہ سے وہ روز اُسے تازہ کرتا ہے۔ پس مؤمن اور منافق میں یہ فرق ہے کہ مؤمن غلطی کرتا ہے تو سزا کو برداشت کرتا ہے مگر منافق جھوٹ بولتا اور معذرتیں کرتا ہے۔ منافق کو پکڑنا مشکل نہیں مگر اس کیلئے دانائی اور بیدار مغزی کی ضرورت ہے جو افسوس ہے کہ ہمارے دوستوں میں بہت کم ہے اگر کبھی میں منافقین کیلئے سفارش کرنے والوں کے نام اُن بورڈوں پر لکھوادوں جو امور عامہ نے لگوا رکھے ہیں تو دوست حیران رہ جائیں گے کہ کیا سب کو انہی سے اخلاص تھا۔

بعض حالات میں مَیں جانتا ہوں کہ یہ اُس منافق کی چالبازی کا نتیجہ ہوتا ہے اور چونکہ روشن دماغی اِن دنوں کم ہے اس لئے دوست اس کے قابو میں آجاتے ہیں۔ ان کے عقل کا توازن خراب کرنے کیلئے دو آنسو گرا دینا دو سرد آہیں بھر لینا یا دو قسموں کا کھالینا کافی ہوتا ہے پھر وہ جو کہے درست مان لیتے ہیں۔

تو منافق اعتراض کرتے ہیں مگر حقیقت یہی ہے کہ ایسی جگہ جہاں کوئی جواب دینے والا نہ ہو۔ ورنہ جواب دے سکنے والوں کے سامنے وہ ایک اعتراض بھی کر کے دیکھیں پھر انہیں معلوم ہو کہ کس طرح انہیں جوتے اُٹھا کر بھاگنا پڑتا ہے۔

ہم نے ایک کام کرنا ہے بلکہ ہم نے کیا ہمارے خدا نے کرنا ہے اور اس کیلئے ہم تو ایسے

ہی ہیں جیسے روٹی پکانے والا اُپلے استعمال کرتا ہے۔ اُپلے کی حیثیت سوائے اِس کے کیا ہے کہ وہ جلتا ہے اور راکھ ہو جاتا ہے۔ پس انسان تو محض واسطہ بنتا ہے ورنہ جس حقیقت کو اللہ تعالیٰ قائم کرنا چاہتا ہے وہ اجسام سے تعلق ہی نہیں رکھتی انسان کا تعلق تو اس سے صرف اتنا ہی ہوتا ہے جتنا روٹی پکانے کیلئے اُپلے کا۔ ورنہ جو کام خدا تعالیٰ نے کرنا ہے اُسے کوئی روک نہیں سکتا۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ اگر میں مؤمنوں کو بیدار کرنا چھوڑ دوں تو یہ کام رُک جائے گا، یا اگر غافلوں کو چُست کرنا چھوڑ دوں تو یہ کام نہ ہوگا، اگر سوتوں کو بیدار نہ کروں تو یہ کام رہ جائے گا؟ ہرگز نہیں۔ وہ میری یا کسی اور کی ذات سے تعلق نہیں رکھتا وہ ہر حال میں ہوگا مگر انسان حریص ہوتا ہے کہ وہ اور اُس کے دوست فائدہ اُٹھائیں اس لئے میں چاہتا ہوں اور کوشش کرتا ہوں کہ مجھے بھی اور میرے دوستوں کو بھی اس میں خدمت کا موقع مل جائے اور خدا تعالیٰ کی رحمت کا نزول ہم پر بھی ہو جائے۔ اس سلسلہ میں وعظ و نصیحت کا یہی مطلب ہے کہ جیسے کوئی خزانہ لُٹانے لگا ہو تو ایک دوست جسے اس کا علم ہو جائے وہ دوسرے دوستوں کو بھی اطلاع کر دے کہ آ کر جھولیاں بھر لو۔

رسول کریم ﷺ نے صحابہؓ سے ایک بیعت رضوان لی تھی جو ایک بیری کے درخت کے نیچے لی گئی تھی اس کی تفصیل یہ ہے کہ آپؐ نے حضرت عثمانؓ کو صلح کا پیغام دے کر مکہ بھیجا تھا وہاں ان کے دوستوں اور رشتہ داروں نے ان کو ٹھہرا لیا اور یوں مصالحت کی باتیں بھی لمبی ہو گئیں اس لئے جس وقت تک ان کی واپسی کا اندازہ تھا (ضمناً میں حضرت عثمانؓ کے اخلاص کا ذکر بھی کر دیتا ہوں۔ حضرت عثمانؓ جب مکہ میں گئے تو ان کے دوستوں نے کہا کہ اب آپ آ تو گئے ہیں عمرہ کر لیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تمہاری فوجیں رسول کریم ﷺ کو تو باہر روکے ہوئے ہوں اور میں عمرہ کر لوں۔ میں اگر کروں گا تو آپؐ کے ساتھ کروں گا ورنہ نہیں)۔ تو اُدھر ان کی واپسی میں دیر ہوئی اور اِدھر بعض شرارت پسندوں نے مشہور کر دیا کہ حضرت عثمانؓ قتل کر دیئے گئے ہیں اور منافقوں نے جھٹ یہ خبر پھیلا دی تا رسول کریم جوش میں آ کر حملہ کر دیں۔ مگر آپ کو جب یہ خبر پہنچی تو آپ نے حملہ تو نہ کیا مگر چونکہ ہوشیار رہنا ضروری تھا آپ نے صحابہؓ کو جمع کیا اور فرمایا کہ میں تم سے بیعت لینا چاہتا ہوں۔ یہ بیعت اسلام کی بیعت کے علاوہ ہوگی اور اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر یہ ثابت ہو گیا کہ حضرت عثمانؓ جو میرے ایلچی تھے شہید ہو گئے ہیں تو ہم ان

کے قاتلوں سے جنگ کریں گے اور آپ لوگوں میں سے جو چاہیں میرے ہاتھ پر اِس وقت بیعت کریں کہ اگر ایسی جنگ ہمیں کرنی پڑی تو وہ میدانِ جنگ سے بھاگے گا نہیں بلکہ فتح کے بغیر لَوٹے گا نہیں (اِس بیعت کو بیعتِ رضوان کے علاوہ موت کی بیعت بھی کہتے ہیں)۔ صحابہ آئے اور بیعت کیلئے ایک دوسرے پر گرنے لگے حتّٰی کہ بعض کو تو اتنا جوش تھا کہ وہ تلوار سے دوسرے کو پیچھے ہٹا کر خود بیعت کیلئے آگے بڑھنا چاہتے تھے۔ اتفاقاً حضرت عمرؓ اُس وقت کہیں اِدھر اُدھر ہو گئے تھے لیکن ان کے لڑکے عبداللہ بن عمرؓ موجود تھے انہوں نے خود ایک موقع پر بیان کیا کہ ایک نیکی میں اگر مَیں چاہتا تو اپنے باپ سے آگے بڑھ جاتا اور وہ موقع بیعتِ رضوان کا تھا۔ جب یہ بیعت شروع ہوئی تو میں نے اِدھر اُدھر دیکھا حضرت عمرؓ وہاں موجود نہ تھے میں ان کی تلاش میں چلا گیا اور جب تلاش کر کے لایا تو اُس وقت بہت سے لوگ بیعت کر چکے تھے میں اگر اپنے باپ کو شریک کرنے کی کوشش نہ کرتا تو سابقون میں ہوتا۔ تو مؤمن ضرور کوشش کرتا ہے کہ عزیز واَقرباء کو نیکی میں شریک کرے ورنہ خدا تعالیٰ کے کام نہ کسی کے شریک ہونے سے مکمل ہوتے ہیں اور نہ کسی کے شریک نہ ہونے سے رہ جاتے ہیں۔

کئی منافق طبع اور کمزور ایمان والے یہ کہہ دیں گے کہ ہم نے کبھی نہیں دیکھا کہ روپیہ کے بغیر یا آدمیوں کے بغیر کام ہو جائے اور میں تصدیق کرتا ہوں کہ ان کا یہ اعتراض صحیح ہے مگر سوال یہ ہے کہ کیا تمہارا دیکھا ہی سب کچھ ہے اور اگر تمہیں اس میدان کی خبر ہو جو روحانیت کا میدان ہے تو تمہیں پتہ لگے کہ وہاں یہ سوال نہیں ہوتا۔ انسان ایک رؤیا دیکھتا ہے کہ وہ آسمان پر ہے اور خدا کے حضور پیش ہے مگر تمہیں کیا نظر آتا ہے صرف یہی کہ وہ خراٹے لے رہا ہے۔ اسی طرح روحانیت کے مقام کی اس شخص کو کیا خبر ہو سکتی ہے جو وہاں گیا ہی نہیں۔ تم بے شک کہہ سکتے ہو کہ جب ہم نے دیکھا ہی نہیں تو کیسے مان لیں۔ مگر یہ بھی تو سوچو کہ وہ روپیہ اور وہ آدمی کہاں سے آتے ہیں جس سے کام ہوتا ہے۔ جس کی عقل ہو وہ جانتا ہے کہ خدا ہی لاتا ہے پھر وہ آدمی کہاں ہوئے جو کام کرتے ہیں وہ خدا ہی ہوُا اور وہ روپیہ کہاں ہوُا وہ بھی خدا ہی ہوا۔ ہماری جماعت کی جو کمزور حالت ہے وہ ظاہر ہے مگر سات کروڑ مسلمانوں کا کوئی ایک بھی ادارہ ہے جس میں غرباء سے اتنا روپیہ آتا ہو جتنا ہماری جماعت جمع کرتی ہے؟ بے شک امراء کے بعض کالج وغیرہ ہیں مگر

وہ بھی یا تو حکومت سے امداد لیتے ہیں یا راجوں، مہاراجوں کی مدد سے چلتے ہیں۔ افراد کی مدد ہندوستان بھر میں کسی کو اتنی نہیں ملتی حالانکہ مسلمانوں کی تعداد سات کروڑ ہے اور ہماری تعداد سرکاری مردم شماری کے مطابق پنجاب میں صرف ۵۶ ہزار اور سارے ہندوستان میں ایک لاکھ ہے۔ پھر منافق بھی شور مچاتے رہتے ہیں اور ورغلاتے رہتے ہیں مگر ہمارے دوست ہر لحاظ سے قربانی میں آگے ہی بڑھتے ہیں۔ پس سوچنا چاہیئے کہ یہ سب کام کون کر رہا ہے دوسری انجمنوں میں سے کسی میں اگر ایک منافق بھی ہو تو وہ ٹُوٹ جاتی ہے مگر یہاں بیسیوں ہیں اُن کی سفارشیں بھی دوست کرتے ہیں، تائیدیں بھی کرتے ہیں اور اُن کی باتیں بھی سنتے ہیں پھر بھی قربانی میں آگے ہی آگے جماعت بڑھتی جاتی ہے۔ کیا اس کے باوجود کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ کام انسان کرتے ہیں؟

کارلائل ایک انگریز جو بڑا مصنف ہے اس نے رسول کریم ﷺ کے متعلق بھی ایک مضمون لکھا ہے جس میں وہ لکھتا ہے کہ لوگ کہتے ہیں کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے آنحضرت ﷺ کی عزت اور عظمت ان کی تعلیم کی وجہ سے قائم نہیں ہوئی بلکہ تلوار سے قائم ہوئی ہے مگر وہ کہتا ہے اس اعتراض کی حقیقت میری سمجھ میں نہیں آتی کیونکہ اس اعتراض کے ساتھ ہی ایک دوسرا سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے جس کا جواب کوئی نہیں دے سکتا کہ یہ تلوار چلانے والے کہاں سے آئے تھے؟ کیا محمد (ﷺ) کوئی نسلی بادشاہ تھے کہ انہوں نے اپنی سپاہ سے اپنے ملک کو وسیع کر لیا؟ اگر نہیں تو پھر سوال یہ ہے کہ محمد (ﷺ) کے پاس تلوار چلانے والے کہاں سے آئے تھے؟ وہ بہادر لوگ جنہوں نے ساری دنیا کو مار مار کر اس طرح آگے لگا لیا سوچنا چاہیئے کہ ان تلوار چلانے والوں کو کونسی تلوار نے فتح کیا تھا؟ اگر کہو کہ دلیل سے وہ قابو کئے گئے تھے تو پھر سوال یہ ہے کہ جس دلیل نے ان بہادروں کو قابو کیا تھا تم کس طرح کہہ سکتے ہو کہ وہ دلیل دوسروں کو قابو کرنے میں ناکام رہی تھی۔ کارلائل کا یہ جواب یہاں بھی چسپاں ہوتا ہے بیشک ہمارا کام بھی بظاہر آدمیوں اور روپیہ کے ذریعہ ہو رہا ہے مگر ان آدمیوں اور روپیہ کو لانے کے ذرائع کو بھی تو دیکھنا چاہیئے ان کو خدا تعالیٰ کے سِوا کون لاتا ہے۔ منافق اور بعض غیر احمدی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں بھی یہ کہا کرتے تھے کہ منظّم جماعت ہے اس لئے کام چل جاتا ہے مگر وہ بھی یہ نہ سوچتے تھے کہ ان لوگوں کو کون لایا جو تنظیم کے ماتحت چلنے کیلئے تیار ہو گئے ہیں۔ اس اعتراض کا جواب اللہ تعالیٰ نے خود ہی

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو دیا ہے۔ فرماتا ہے یَنۡصُرُکَ رِجَالٌ نُوۡحِیۡ اِلَیۡھِمۡ مِنَ السَّمَاءِ [۴]۔ تیری مدد وہ لوگ کریں گے جن کو ہم آسمان سے وحی کریں گے۔ پس جب کوئی شخص سلسلہ کی مدد کرتا ہے تو اس لئے کہ خدا کا فرشتہ اسے کہتا ہے کہ جا اور جا کر مدد کر۔ غرض ہمیں جو کچھ ملتا ہے آدمیوں کا دیا ہوا نہیں بلکہ خدا کا دیا ہوا ہے اور ہمارے سلسلہ کے کام آدمیوں اور روپوں کے بغیر ہی چل رہے ہیں کیونکہ جس طرح وحی سے مدد کرنے والا انسان کی حیثیت سے نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کے ہتھیار کی حیثیت سے کام کرتا ہے اِسی طرح وحی سے ملا ہوا روپیہ نہیں صرف خدا تعالیٰ کا اِذن ہے۔

غرض الہامِ الٰہی کے مطابق ہر وہ قربانی کرنے والا جو سلسلہ کی مدد کرتا ہے وہ اپنی ہر قربانی کے وقت مُلہم ہوتا ہے اگر وہ ایک پیسہ بھی سلسلہ کی خدمت کیلئے دیتا ہے تو چونکہ اُس وقت خدا تعالیٰ کا الہام اس کے دل پر نازل ہو رہا ہوتا ہے اس لئے دیتا ہے۔ پس اس اعتراض کا جواب اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی دے دیا ہوا ہے۔ منافقوں کے ان سوالوں کا جواب دینے کے بعد میں ان مخلصوں کو توجہ دلاتا ہوں جو میرے اوّل مخاطب ہیں۔ اتنی لمبی تمہید میں نے اِس لئے بیان کی ہے کہ منافق میرے مخاطب نہیں ہیں ان سے کیوں مددلوں جن کے متعلق دل چاہتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ ہدایت نہ دے تو ان کو تباہ کر دے ایسے لوگ تو جب چندہ دیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے حکم کے ماتحت لے لیتا ہوں ورنہ دل تو یہی چاہتا ہے کہ واپس کر دوں کہ یہ مال ہمارے لئے کسی برکت کا نہیں بلکہ نقصان کا موجب ہی ہوگا۔

پس میں مؤمنوں سے کہتا ہوں کہ کیا تم نہیں جانتے کہ تمہارے سامنے اللہ تعالیٰ نے بغیر روپیہ اور بغیر آدمیوں کے کام کیا ہے۔ جب جماعت میرے سپرد ہوئی اس وقت سترہ اٹھارہ ہزار روپیہ قرض تھا اور خزانہ میں صرف چند آنے تھے پھر بھی اللہ تعالیٰ نے ثابت کر دکھایا یا نہیں کہ وہ بغیر روپیہ کے بھی کام چلا دیتا ہے۔ اُس وقت غیر مبائعین نہایت فخر سے کہا کرتے تھے کہ ہمارے ساتھ اٹھانوے فیصدی جماعت ہے اور تمہارے ساتھ صرف دو فیصدی۔ مگر اب ان سے پوچھ کر دیکھو کہ اٹھانوے فیصدی ان کے ساتھ ہے یا میرے ساتھ؟ اور اِس وقت تک ایک کروڑ کے قریب روپیہ میرے ہاتھوں سے گزر چکا ہے یہ مطلب نہیں کہ میرے ہاتھ میں آیا بلکہ انجمن میں جو بھی آتا ہے وہ میری نگرانی میں خرچ کرنے کیلئے ہی لوگ بھیجتے ہیں اِس لئے اصولی طور پر وہ میرے

ہاتھ میں ہی آتا ہے۔ تین لاکھ کا عام طور پر ہمارا بجٹ ہوتا ہے خاص چندے اس کے علاوہ ہوتے ہیں اور اس طرح ۲۲ سال کے عرصہ میں قریباً اسّی لاکھ روپیہ آچکا ہے۔ پھر مقامی طور پر بھی جماعتیں چندے کرلیتی ہیں اور ان کی تعداد ۲۰، ۲۵ لاکھ سے کم نہ ہوگی۔ پس چند آنے اور دو فیصدی آدمی میرے ہاتھ میں دے کر اللہ تعالیٰ نے مجھے توفیق دی کہ میں ان چند آنوں کو ایک کروڑ روپیہ سے اور دو فیصدی آدمیوں کو اٹھانوے فیصدی یا اس سے زیادہ آدمیوں سے تبدیل کردوں۔

کئی دفعہ دیکھا جاتا ہے کہ ایک سادھو ایک شخص کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھے دس روپیہ کا نوٹ دو میں بیس کا بنادوں گا اور لوگ یہ جاننے کے باوجود کہ وہ نہیں بنا سکتا اسے روپیہ دے دیتے ہیں۔ انہیں اس بات کا یقین نہیں ہوتا کہ وہ ایسا کرسکے گا پھر بھی لالچ کی وجہ سے اُس پر ایمان لے آتے ہیں مگر ان نادانوں کو دیکھو جو مجھ پر ایمان نہیں لاتے جس نے چند آنوں کو ایک کروڑ بنادیا اور دو فیصدی کو اٹھانوے فیصدی میں بدل دیا اور پھر یہ سب کام ان حالات میں ہؤا کہ مخالفت کے طوفان کے بعد طوفان اُٹھتے چلے آتے تھے یہی وہ کام ہے جسے زمینی زبان میں جادو اور آسمانی زبان میں معجزہ کہتے ہیں اور معجزہ بھی نبیوں والا معجزہ ہے جو نبیوں اور ان کے خلفاء کو ہی ملتا ہے ان کے سِوا بڑے بڑے اولیاء بھی اس سے محروم رہتے ہیں۔ کاش! لوگ آنکھیں رکھتے اور دیکھتے اور اس حقیر قربانی کو نگاہ میں نہ رکھتے جس کی توفیق ان کو یا ان کے دوستوں کو ملی ہے بلکہ ان عظیم الشان نتائج کو دیکھتے جو اس حقیر قربانی کے نتیجہ میں خدا تعالیٰ نے میرے ہاتھ سے ظاہر کرائے ہیں۔

میں مخلصوں کو پھر ایک بار توجہ دلاتا ہوں کہ وہ اپنے وعدوں کو پورا کریں۔ تھوڑا عرصہ ہؤا میں نے پہلے بھی توجہ دلائی تھی کہ اِس سال کی آمد گزشتہ سال کی اِسی تاریخ سے گیارہ ہزار کم ہے اگرچہ وعدے گزشتہ سال سے زیادہ ہیں اور تحریک کی تھی کہ دوست اِس کمی کو جلد پورا کریں اور یہ اللہ تعالیٰ کے شکر اور حمد کا مقام ہے کہ اب کمی ۱۱ ہزار کے بجائے صِرف اڑھائی ہزار رہ گئی ہے (آج جب کہ میں خطبہ درست کررہا ہوں یہ کمی آٹھ سَو رہ گئی ہے)۔ مگر چونکہ اب تک بھی گزشتہ سال سے آمد کم ہے حالانکہ ۸، ۱۰ ہزار کے قریب زیادہ ہونی چاہئے تھی اس لئے میں پھر احباب کو اس نقص کی طرف توجہ دلاتا ہوں مجھے افسوس ہے کہ بعض بڑی جماعتوں نے بہت لاپرواہی کی ہے

مثلاً لائل پور، لاہور اور سیالکوٹ کی جماعتیں اعتراض کے نیچے آرہی ہیں بعض دیہات کی جماعتوں نے اپنی نسبت کے لحاظ سے بہت بڑے چندے دیئے ہیں۔ایک گاؤں میں معمولی حیثیت کے صرف چار پانچ احمدی ہیں ایک ان میں سے شاید مدرّس یا پٹواری ہے اور باقی زمیندار ہیں مگر اُن کا چندہ ڈیڑھ سَو ہے اگر اِس نسبت سے بڑی جماعتوں کا چندہ لگایا جاتا تو وہ تین چار گُنا زیادہ ہونا چاہیئے تھا۔ جب اس گاؤں کے افراد کی لِسٹ میرے سامنے آئی تو میں حیران رہ گیا کہ اتنے غریب لوگوں نے ایسی تنگی کی حالت میں کس طرح ایسا اخلاص دکھایا ہے جو دوسروں کیلئے نمونہ ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ بعض جماعتوں نے اُس سے بہت کم قربانی کی ہے جتنی وہ کر سکتی تھیں اور پھر اُسے بھی پورا کرنے سے قاصر ہورہی ہیں اِس لئے میں اُن کو توجہ دلاتا ہوں کہ غفلت اور سُستی کو ترک کریں۔ اب صرف دو ماہ کا عرصہ باقی رہ گیا ہے سوائے اُن کے جو اجازت لے کر میعاد میں اضافہ کرالیں۔ گو کمی پوری کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور ساڑھے آٹھ ہزار کی کمی پوری کی ہے مگر پھر بھی ابھی بہت کوشش کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ یَنْصُرُکَ رِجَالٌ نُوْحِیْٓ اِلَیْھِمْ اس لئے میں جانتا ہوں کہ جب وقت قریب آئے گا تو اللہ تعالیٰ مخلصین کے دل میں الہام کردے گا اور چندہ پورا ہوجائے گا۔ اللہ تعالیٰ کا یہی وعدہ ہے اور تجربہ بھی یہی بتاتا ہے کہ ہمارے کاموں میں اکثر زیادتی ہی ہوتی ہے اِلَّا مَاشَاءَ اللّٰہُ کوئی ہی ایسا موقع ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کسی خاص مشیّت کے ماتحت کبھی کمی آئی ہو۔

پس میں دوستوں کو توجہ دلاتا ہوں کہ وقت کم ہے اس لئے مالی بھی اور دوسری قربانیاں کرنے کی طرف بھی پوری پوری توجہ کریں۔ خصوصاً سادہ زندگی کی طرف زیادہ توجہ کریں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سادہ زندگی کی ہدایت پر عمل کرنے میں کچھ نقص ہے ورنہ اتنا اثر چندوں پر نہ پڑتا۔ کیونکہ سادہ زندگی سے اخراجات میں جو کمی آنی چاہیئے چندوں کا بوجھ اس سے کم ہے اس لئے چاہیئے تو یہ تھا کہ دوستوں کے پاس کچھ روپیہ جمع ہوتا مگر ایسا نہیں ہوا۔ سادہ زندگی کی تحریک کوئی معمولی نہیں بلکہ دراصل دنیا کے آئندہ امن کی بنیاد اِسی پر ہے۔ جب تک جماعت احمدیہ قائم رہے گی تحریک جدید بھی کسی نہ کسی شکل میں چلے گی چندہ کی شکل چند سالوں تک ختم ہوجائے اور میں کوشش کررہا ہوں کہ آمد کی مستقل صورت پیدا ہوجائے اور یہی وجہ ہے کہ آمد کا معتد بہ حصہ مَیں

سلسلہ کیلئے جائداد بنانے پر لگا رہا ہوں تا اس کی آمد سے کام چلائے جاسکیں اور چندوں کی ضرورت صرف وقتی کاموں کیلئے ہی رہے لیکن اس تحریک کے جو دوسرے حصے ہیں وہ کبھی ختم نہیں ہو سکتے خصوصاً سادہ زندگی کی تحریک جو بہت ضروری ہے یہی ہے جو امیر و غریب کا امتیاز مٹاتی ہے۔ مغربی اور مشرقی اور شہری و دیہاتی تمدن میں سوائے اِس کے کیا فرق ہے کہ گاؤں کے امیر کی زندگی بھی سادہ ہوتی ہے مگر شہروں میں ایسا نہیں۔ ایک گاؤں میں دوسَو ایکڑ زمین کے مالک کا تمدن بھی ایسا ہی ہوتا ہے جیسا دو ایکڑ زمین کے مالک کا۔ اور وہ دونوں دارے میں بیٹھ کر اکٹھے باتیں کرتے ہیں گو یہ ممکن ہے کہ دو ایکڑ کے مالک کو کسی وقت فاقہ کی نوبت آجاتی ہو مگر دوسَو ایکڑ کا مالک دونوں وقت پیٹ بھر کر کھانا کھاتا ہو یا یہ تو دودھ پیتا اور مکھن کھاتا ہو اور وہ لسّی پی کر ہی گزارہ کر لیتا ہو مگر اجزاء دونوں کی غذا کے ایک ہی ہوں گے۔ وہی ساگ پات دونوں کھائیں گے یہ نہیں کہ بڑے زمیندار کی خوراک ایسی ہو کہ وہ غریب کے گھر میں کھانا نہ کھا سکے۔

قادیان کے انہی معترضین میں سے جو اعتراض کرتے رہتے ہیں ایک کے متعلق مجھے ایک لطیفہ یاد ہے۔ مجھے ایک ایسی دعوت میں جانے کا اتفاق ہوا جہاں وہ بھی مدعو تھا۔ میزبان نے نہ معلوم اس لئے پلاؤ نہیں پکوایا تھا کہ وہ اس کی توفیق نہ رکھتا تھا یا یونہی اُس نے جِدت کی۔ میں نے یہ خیال کر کے کہ یہ شرمندہ نہ ہو کہا کہ یہ آپ نے بہت اچھا کیا جو پلاؤ نہ پکوایا مجھے تو پلاؤ کھانے سے بخار ہو جاتا ہے (بوجہ ضعفِ معدہ کے مجھے پلاؤ کھانے سے اکثر حرارت ہو جاتی ہے خصوصاً جبکہ ایک دو دعوتیں اکٹھی ہو جائیں) یہی وجہ ہے کہ میں دعوتوں میں شریک ہونے سے اکثر اجتناب کرتا ہوں۔ خیر تو میں نے کہا کہ یہ پلاؤ کی رسم تو اُڑا دینی چاہئے اور میری غرض یہی تھی کہ کوئی اور شخص بول نہ اُٹھے اور میزبان کی دِل شِکنی نہ ہو مگر اُس شخص سے نہ رہا گیا اور وہ بول اُٹھا کہ میں تو اِس دعوت کو دعوت ہی نہیں سمجھتا جس میں پلاؤ نہ ہو۔ میں تو تعریف کر رہا تھا کہ یہ عمدہ کام ہے اور ایک غرض یہ بھی تھی کہ کوئی شخص کوئی دِل شِکنی کا کلمہ نہ کہہ دے مگر پھر بھی وہ شخص رہ نہ سکا۔ لیکن زمینداروں میں دیکھ لو کھانے کی نوعیت میں فرق بہت کم ہوگا۔ طرزِ بود و باش ایسی ہوتی ہے کہ سب آزادی سے ایک دوسرے سے مِلتے جُلتے ہیں مگر شہروں میں ایسا نہیں ہوتا۔ ایک شخص جس کی تنخواہ بیس روپے ہے دو ہزار تنخواہ والے سے ملنے کی کبھی جرأت نہ کر سکے گا حالانکہ یہاں بھی

نسبت وہی ہے جو دو اور دوسَو گھماؤں میں ہے مگر شہروں میں بیس روپے تنخواہ لینے والے کی کیا مجال ہے کہ جو دو ہزار تنخواہ والے کی دری پر بیٹھ سکے اور اِس کا اتنا اثر ہے کہ زمیندار لوگ بڑے ہونے کے معنی یہ سمجھتے ہیں کہ فرعونیت میں بڑا ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ مجھے جو زمیندار احمدی ملنے آتے ہیں وہ جب دور سے دیکھتے ہیں تو جوتیاں اُتار دیتے ہیں وہ خدمت کو بڑائی نہیں سمجھتے بلکہ فرعون مزاجوں کو دیکھ کران غریبوں کے ذہن میں بڑائی کے معنے فرعونیت کے ہی ہوگئے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں اگر بڑے آدمی کے ساتھ چارپائی پر بیٹھ گئے تو بس شامت ہی آجائے گی۔ بدقسمتی سے ہمارے ملک کے پیروں نے بھی بڑائی کا یہی مفہوم پیش کیا ہے۔ اس کے متعلق مجھے ایک لطیفہ یاد آگیا۔ ایک پیر صاحب سفر کررہے تھے اور ساتھ ایک میراثی خدمتگار تھا پُرانے زمانہ میں میراثی اکثر سفروں میں خدمت کیلئے ساتھ جایا کرتے تھے وہ رات کے وقت ایک سرائے میں پہنچے بارش ہونے کی وجہ سے تمام کیچڑ ہی کیچڑ تھا اور مشکل یہ ہوئی کہ چارپائی صرف ایک ہی ملی۔ میراثی نے وہ پیر صاحب کیلئے بچھادی اور خود پرے ہٹ کر پائنتی کی طرف بیٹھ گیا۔ پیر صاحب طیش میں آگئے اوراس بیچارے کے دو چار تھپڑ لگادیئے اور کہا کہ بے شرم! ہمارے برابر بیٹھتا ہے۔ اگلے روز پھر ایک سرائے میں پہنچے اور اتفاق سے وہاں ایک چارپائی بھی نہ ملی اُس نے پیر صاحب کو تو کچھ گھاس پھوس جمع کر کے بستر کر دیا اور خود پھاوڑا لے کر زمین کھودنے لگا۔ پیر صاحب کہنے لگے کہ یہ کیا کرتا ہے؟ اُس نے کہا کہ اپنے لئے گڑھا کھودتا ہوں کیونکہ آپ کے برابر تو نہیں بیٹھ سکتا۔ تو بیچاروں کو ایسی عادت پڑگئی ہے کہ بڑائی کے معنی ان کے نزدیک فرعونیت کے ہوگئے ہیں۔

میں بار بار منع کرتا ہوں اور سیڑھیوں میں بھی لکھوا کر لگا رکھا ہے کہ جوتیاں نہ اُتاری جائیں مگر اوّل تو کوئی پڑھتا نہیں اور اگر پڑھے تو خیال کر لیتا ہے کہ اگرچہ لکھا ہوا ہے پھر بھی ادب کا تقاضا یہی ہے کہ جوتیاں اُتار دی جائیں۔ تو یہ چیزیں شہرت اور مغربیت کے اثر کے ماتحت ہیں۔ محبت، پیار، اخلاص اور مہمان نوازی جو دیہات میں ہے وہ شہروں میں نہیں۔ لاہور کے متعلق ایک لطیفہ مشہور ہے جو اگرچہ غلط ہی ہو مگر شہری ذہنیت کا اظہار ضرور کرتا ہے وہ یہ کہ لاہور میں کسی کے کوئی مہمان آجائے تو کہتے ہیں کہ بھائی جی! روٹی بھی تیار ہے اور گاڑی بھی۔ اور ظاہر ہے کہ جس نے جانا ہو وہ روٹی کہاں کھائے گا وہ تو یہی کہے گا کہ اچھا میں جاتا ہوں۔

اِس تحریک سے میری غرض یہ ہے کہ دو آدمیوں میں جو فرق ہے یعنی ایک اپنے آپ کو آدمی سمجھتا ہے اور دوسرا فرعون اِسے مٹا دیا جائے اور دونوں ہی آدمی بن جائیں۔ حضرت خلیفہ اوّل کا ایک لطیفہ یاد ہے آپ کے پاس بعض شاگرد بھی بیٹھے رہتے تھے اور شاگردوں میں سے بھی بعض اپنے آپ کو بڑا سمجھ لیا کرتے ہیں۔ بعض اوقات آپ کسی مریض کو دوا لگانے کیلئے فرماتے کہ کوئی تنکا وغیرہ لاؤ یا کوئی اور کام بتاتے تو بعض دفعہ اگر وہی شاگرد موجود ہوتے جو اپنے آپ کو بڑا سمجھتے تھے تو وہ بیٹھے رہتے۔ اور آپ جب دریافت فرماتے کہ فلاں چیز ابھی آئی یا نہیں تو وہ کہہ دیتے کہ حضور! کوئی آدمی آتا ہے تو منگوا لیتے ہیں۔ اِس پر آپ فرماتے کہ تھوڑی دیر کیلئے آپ ہی آدمی بن جائیں۔ تو زندگی کے سادہ نہ ہونے کی وجہ سے کچھ آدمی آدمی نہیں رہے بلکہ بعض آدمیت سے نکل گئے ہیں اور ہم چاہتے ہیں کہ سارے ہی آدمی بن جائیں اس لئے یہ تحریک ہمیشہ جاری رہے گی ورنہ مذہب اپنی اصلی شکل پر قائم نہیں رہ سکتا۔ اس لئے اس تحریک کے مالی حصہ کے سِوا باقی سب تحریکیں دائمی ہیں اور حقیقت میں وہ زیادہ مقدم ہیں اور چونکہ اِس سال کی تحریک کے اَب صرف دو ماہ باقی رہ گئے ہیں اِس لئے جن دوستوں نے غفلت کی ہے وہ اب جلد کوتاہیوں کو پورا کریں تا وقت پورا ہونے کے بعد ان کے دل ملامت نہ کریں۔ میں تو کوئی ملامت نہیں کروں گا کیونکہ طَوعی تحریک ہے مگر ان کے دل ضرور ملامت کریں گے۔ پس پیشتر اِس کے کہ دل ملامت کریں انہیں چاہئے کہ کوشش کریں تا سال کے اختتام پر وہ خوش ہوں اور کہہ سکیں کہ پہلا بوجھ تو ہم اُٹھا چکے اب نئے سال کا اُٹھانے کو تیار ہیں۔

(الفضل ۱۶؍اکتوبر ۱۹۳۶ء)

---

۱ البقرۃ:۱۲

۲،۳ بخاری کتاب المغازی باب حدیث کعب بن مالکؓ

۴ تذکرہ، صفحہ ۵۰۔ ایڈیشن چہارم